© rasailojaraid.com

اُسی نوعیت کے ہیں جیسے دنیا میں قومی اقلیتوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کچھ مدت تک اِس تصور کے تحت وہ مسائل "قومی" حل کرنے پر وقت ضائع کیا جاتا رہا۔ آخر کار جب یہاں بھی کوئی راہ نجات نظر نہ آئی اور معلوم ہوا کہ جمہوری اصولوں کے اندر قومی اقلیتوں کے لیے زندگی کی کوئی سبیل نہیں ہے، تو ان کا ذہن اِس طرف منتقل ہوا کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں ہماری اکثریت بھی تو ہے، پھر کیوں نہ ہندوستان کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں، جس ٹکڑے میں ہماری اکثریت ہے وہاں ہماری قومی حکومت قائم ہو اور دوسرے قومی اقلیت قرار پائیں، اور جہاں دوسروں کی اکثریت ہے وہاں اُنکی قومی حکومت ہو اور ہم قومی اقلیت کی حیثیت سے رہیں ــــــ یہ اس پاکستانی تخیل کے ارتقاء کی مختصر تاریخ ہے۔ اور یہ تاریخ خود شاہد ہے کہ نقطۂ آغاز سے لیکر نقطۂ انجام تک ہر مرحلے میں یہ تخیل مغربی تصوراتِ قومیت کے زیر اثر پرورش پاتا رہا ہے۔ مگر آخری مرحلے پر پہنچ کر یکایک اس میں اسلامی نصب العین کا جوڑ لگا دیا جاتا ہے اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ جب جمہوری اصول پر (یعنی اس اصول پر کہ باشندگانِ ملک خود مالک الملک ہیں) پاکستان میں "مسلمانوں" کی اکثریت کا اقتدار قائم ہو جائیگا تب ہم رفتہ رفتہ نظامِ حکومت کو تبدیل کر کے اسلامی اصول پر ڈھال دینگے۔

اس تخیل میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ طرزِ فکر اور طریق عمل تو ہے سراسر غیر اسلامی، مگر نام بار بار لیا جاتا ہے اسلام اور مسلمان کا۔ بلاشبہ اسلام اپنے پیروؤں کو ایک مستقل "امت" بناتا ہے، ایسی امت جو کسی دوسری قومیت میں بحیثیت ایک جزء کے شامل نہیں رہ سکتی، مگر یہ امت اُس چیز سے بالکل مختلف نوعیت کی ہے جس پر مغربی علوم اجتماع میں لفظ "نیشن" کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور اسی طرح اسکے مسائل اور اسکے مقاصد بھی اُس سے بالکل مختلف ہیں۔ مغربی قومیت کسی عقیدے اور کسی اخلاقی نصب العین کی بنیاد پر نہیں بنتی بلکہ تاریخی تعصبات اور موروثی تہذیب و تمدن سے بنتی ہے۔ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس کسی قسم کے اصول حق نہیں ہوتے جنہیں پیش کر کے وہ دوسروں کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دے سکے بلکہ وہ محض اپنے چند تعصبات رکھتی ہے جو نا قابلِ تبلیغ شے ہیں۔ اسکے سامنے کوئی اخلاقی مقصد بھی نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ اپنی قومی انفرادیت کا تحفظ کرے اور جو لوگ اس قوم میں پیدا ہوئے ہیں اُنکے دنیوی مفاد کے لیے جدوجہد کرے۔ اسی وجہ سے اس قومیت کے لیے کثرت و قلت کا سوال پیدا ہوتا ہے، اسی وجہ سے دوسری قوموں کے ساتھ دنیوی مفاد کے لیے اُسکی کشمکش ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ چاہتی ہے کہ جہاں اسکی کثرت ہو وہاں اسکی قومی حکومت قائم ہو جائے اور جہاں اُسکی قلت ہو وہاں اسکے لیے دستوری تحفظات کا انتظام کیا جائے۔ لیکن اسلام جو امت بناتا ہے اُسکی سرے سے یہ حیثیت ہے ہی نہیں۔ یہ امت صرف اس وجہ سے بنتی ہے کہ اسلام تمام انسانی قوموں کے سامنے ایک عقیدہ اور ایک ضابطۂ زندگی پیش کرتا ہے اور جو لوگ اس کو قبول کر لیتے ہیں وہ ایک امت بن جاتے ہیں۔ اس امت کا کوئی مقصد اسکے سوا نہیں ہے کہ اسلام کے عقیدے اور ضابطہ کی بنیاد پر اجتماعی زندگی کی عمارت تعمیر کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ اسکے لیے کثرت اور قلت کا کوئی سوال نہیں۔ یہ ایک کی اقلیت سے شروع ہوتی ہے اور سو فی صدی اکثریت تک پہنچ سکتی ہے جس طرح تمام قوموں سے نکل نکل کر لوگ اب تک اس امت میں آتے رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی آسکتے ہیں۔ اس کا کام دنیا کی دوسری قوموں سے اپنے دنیوی مفاد کے لیے لڑنا نہیں ہے بلکہ انہیں اپنے اصولِ حق اور اپنے اخلاقی نصب العین کی طرف دعوت دینا ہے۔ اسکے دعوے کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ یہاں ہم ۶۵ یا ۷۰ فی صدی ہیں اس لیے یہاں ہماری حکومت ہونی چاہیے، بلکہ اسکے دعوے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ اصولِ حق ہیں جن پر تمدن و سیاست و اخلاق کا نظام تعمیر ہونا انسانی فلاح وسعادت کا واحد ذریعہ ہے لہٰذا تمام دنیا کو ہم انکی طرف دعوت دیتے ہیں اور جس سرزمین کے لوگ بھی ان پر راضی ہو جائیں وہاں ہم ان اصولوں کی حکومت قائم کرینگے خواہ وہ جمنا اور اٹک کے درمیان واقع ہو یا نربدا اور گنگا کے درمیان یا قطب شمالی وجنوبی کے درمیان۔ اب ہر وہ شخص جو ذرہ برابر بھی حقائق میں بصیرت رکھتا ہو، علانیہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ اسلامی امت کی اس حیثیت میں اور پاکستانی تخیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بانیوں اور حامیوں کی اُس حیثیت میں جو اوپر بیان ہوئی بعد المشرقین ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی اسلامی امت ہیں تو ان کا سارا مقدمہ ہی بے بنیاد اور سراسر غلط ہے۔ اور اگر انکے مقدمہ کی حقیقی صورت نوعیت یہی ہے تو انکو اسلام اور اسلامی امت کے نام سے یہ مقدمہ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایسا مقدمہ لے کر اُٹھنے والوں کو اپنی قومیت کا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا چاہیے۔

دوسری عظیم الشان غلطی اس تخیل میں یہ ہے کہ یہ لوگ "پاکستان" تک ناپاکستان کے راستہ سے پہنچنا چاہتے ہیں۔ اِن سے جب پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان سے تمہاری مراد کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پاکستان وہ ہے جہاں حاکمیت صرف اللہ کی ہو اور جو انسان کی حاکمیت سے پاک ہو۔ پھر جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ پاکی وطہارت محض شمالی مغربی ہندوستان اور بنگال کے لیے آپنے کیوں مختص فرمادی؟ باقی ماندہ ہندوستان نے کیا قصور کیا ہے کہ اسکو آپ "پاکستان" بنانے سے منہ موڑتے ہیں؟ تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اِن علاقوں میں اُن لوگوں کی (یعنی مسلمانوں کی) اکثریت ہے جو اللہ کی حاکمیت پر پہلے ہی ایمان رکھتے ہیں۔ لہذا پہلے ہم یہاں پاکستان بنائینگے اور پھر ہندوستان کے دوسرے حصوں کو اسی پاکی وطہارت کی طرف دعوت دینگے —— اِس سوال وجواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا شمالی مغربی ہندوستان اور مشرقی ہندوستان کی اکثر آبادی اللہ کی حاکمیت قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ مگر جب ہم انکی اسکیم کی تفصیلات دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ اِن علاقوں میں مغربی ڈیموکریسی کے اصول پر اکثریت کی حکومت (یعنی وہی ناپاکستان) قائم کرینگے، پھر کہیں پاکستان کے لیے زمین تیار کرنے کی نوبت آئیگی۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ علاقہ واقعی حکومت الٰہی کے لیے تیار ہے، جیسا کہ آپنے پہلے فرض کیا تھا تو قومی جمہوریت کی ناپاکی میں سے ہو کر جانے کے بجائے آپ براہِ راست الٰہی حکومت کی طرف ہی اقدام کیوں نہیں فرماتے؟ اور اگر یہ بھی اُسی طرح تیار کیے جانے کا محتاج ہے جس طرح باقی ہندوستان ہے تو پھر سارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان کو دبلکہ دنیا کو پاکستان بنانے کے لیے ایک اصولی دعوت لیکر اٹھنے کے بجائے آپ نے نام نہاد مسلم اکثریت ہی کے صوبوں کو اپنا ہدف مقصود کیوں بنا لیا ہے؟ اِن صوبوں میں جمہوری حکومت کا قیام آخر کس معنی میں حکومت الٰہیہ کے قیام کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ ایران، ٹرکی، عراق وغیرہ ممالک میں تو ایسے ہی نسلی مسلمانوں کو قومی جمہوریت اس وقت حاصل ہے۔ پھر کیا وہاں حکومت الٰہیہ کے لیے جدوجہد کرنا اس سے کچھ کم مشکل اور کم خطرناک ہے جتنا کسی کافر حکومت میں ہوسکتا ہے؟

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جہاں عوام الناس خدا کے بجائے اپنی اغراض نفسانی کے بندے بنے ہوئے ہوں، اور جہاں لوگ اپنی خواہشات نفس سے دست بردار ہو کر خدا کے آگے بالکل سر تسلیم خم کر دینے پر آمادہ نہ ہوں، خواہ ایسی آبادی کا نام اصطلاحاً مسلمان ہو یا غیر مسلم، بہرحال ایسی جگہ جمہوری اصول پر جو لوگ برسر اقتدار آئیں گے وہ خدا کے مطیع بندے تو نہیں ہونگے ــــ ناپاک دودھ میں سے جو مکھن نکلے گا لامحالہ وہ خلاصہ نجاست ہی ہوگا ــــ اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار کا آنا طبعاً ولازماً حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے کسی طرح مددگار نہیں ہوسکتا۔ الٰہی حکومت تو صرف اسی حالت میں قائم ہوسکتی ہے جبکہ ایک خالص اسلامی تحریک کے ذریعہ سے عوام الناس کے اخلاقی نقطۂ نظر کو بالکلیہ تبدیل کر دیا جائے۔ اور یہ تحریک جہاں بھی اٹھیگی ہر باغی حکومت اسکے لیے یکساں مزاحم ثابت ہوگی خواہ اُسکے حکمراں کھلے کافر ہوں یا نام کے مسلمان۔ پھر جب ہمیں ایک خالص اصولی تحریک کے ذریعہ سے عوام الناس میں خدا پرستانہ ذہنیت و اخلاق پیدا کرنا ہی ہے اور تمام حاضر الوقت نظامات سیاسی کے علی الرغم کرنا ہے، تو ہم پیدائشی مسلمان اور پیدائشی غیر مسلم سب کے پاس ایک ہی ساتھ کیوں نہ جائیں؟ کیوں ہم اسکو مسلمانوں کی آبائی جائداد سمجھ کر اپنی میں تقسیم کرنے کی فکر کریں؟ اور کیوں ہم خواہ مخواہ پہلے ایک جغرافی حد بندی قائم کر کے اپنی تحریک کو محدود کر لیں؟ کیوں نہ ہم ان تمام لوگوں تک اپنی آواز پہنچائیں جنکو ہم اپنی بات سمجھا سکتے ہیں؟ غیر اللہ کی بندگی سے آزاد ہو کر صرف اللہ کا بندہ بن جانا تو ایک نعمت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تمام انسانوں کے سامنے پیش کی جانی چاہیے۔ اگر نسلی مسلمان سب سے آگے بڑھ کر اس نعمت کو حاصل کر لیں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن اگر دعوتِ تمام میں یہ پیچھے رہ جائیں اور دوسرے پیش قدمی کر کے اسے لینے کے لیے تیار ہو جائیں تو کیوں نہ "پاکستان" پہلے انہی کے درمیان قائم کیا جائے۔

یہ باتیں جب پاکستانی حضرات کے سامنے عرض کی جاتی ہیں تو وہ بھی اپنی مشکلات کی داستان بیان کرنی شروع کر دیتے ہیں جن سے خوف زدہ ہو کر بعض لوگوں نے ہندوستانی وطن پرستوں کے ساتھ میل کیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں نے اسلام کو اجزاء میں تقسیم کر کے چند اجزاء لینے اور چند کو چھوڑ دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ صاحب! اسلام کے خلاف تو ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی، تمام قوموں میں سخت تعصبات پھیلے ہوئے ہیں، بھلا اس حالت میں اسلام ایک خالص اصولی تحریک کی حیثیت سے کہاں چل سکتا ہے۔ حالانکہ یہ واقعات کو غلط رنگ میں دیکھنا اور غلط نتائج نکالنا ہے۔ بے شک تعصبات موجود ہیں، مگر وہ اسلام اور اسلامی سیرت کے بھڑکائے ہوئے نہیں ہیں (جس سے ان قوموں کو ہندوستان میں کم ہی سابقہ پیش آیا ہے) بلکہ اسلام کے ان غلط نمائندوں کی روش سے پیدا ہوئے ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود غیر اسلامی طریقوں پر چلتے رہے اور خالصتہً للہ کام کرنے کے بجائے اپنی دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کے لیے کام کرتے رہے۔ لہٰذا ان تعصبات کا صحیح علاج یہ ہے کہ اب اپنی سیرت، اپنے اعمال اور اپنی اجتماعی جدوجہد سے اسلام کی صحیح نمائندگی کیجیے، نہ یہ کہ تعصبات کی موجودگی کو اسی غلط روش پر چلنے کے لیے حجت بنائیے جس کی وجہ سے تعصبات پیدا ہوئے ہیں۔ بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ قومی تعصبات کی موجودگی میں اسلام کا ایک خالص اصولی تحریک کی حیثیت سے چلنا محال ہے، تو سوال یہ ہے کہ اسلامی مقاصد کے بجائے مسلمانوں کے دنیوی مفاد کے لیے جو کشمکش آپ کے اور دوسری قوموں کے درمیان برپا ہے اور ان کے قوم پرستانہ طریقوں کے جواب میں ویسے ہی قوم پرستانہ طریقے جس طرح آپ اختیار کر رہے ہیں، کیا اس سے یہ تعصبات کبھی قیامت تک بھی دور ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر یہ نہ کہیے کہ اس وقت کچھ خاص حالات ایسے ہیں جن کی وجہ سے اسلام ایک خالص اصولی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک کی حیثیت سے نہیں چل سکتا، بلکہ یوں فرمائیے کہ آئندہ بھی ہمیشہ ایسے ہی حالات موجود رہینگے اور اگر اسلام آپ ہی کا ورثہ آبائی بنا رہا تو وہ ہمیشہ بنی اسرائیل کی طرح محض آپکا قومی مذہب بنکر رہیگا، کبھی ایک عالمگیر دعوت نہ بن سکیگا۔

پس یہ ایک حقیقت ہے کہ اسوقت جو لوگ نیک نیت ہونے کے باوجود براہ راست حق کی طرف پیش قدمی کرنے سے جھجک رہے ہیں اور پھیر کے راستوں پر چلے جا رہے ہیں، اُن سب کی غلط روی کا مشترک سبب ایک ہی ہے کہ وہ اسلامی تحریک کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ حائل دیکھ کر راستہ کترانے کی کوشش کرتے ہیں مگر خود ان پہاڑوں کا جائزہ لے کر نہیں دیکھتے کہ یہ پہاڑ ہیں کس قسم کے۔ حالانکہ تحقیق کرنے سے ان پہاڑوں کی حقیقت بآسانی معلوم کی جاسکتی ہے۔ پہلے اسلام کے اصولوں کو دیکھیے کیا بجائے خود انکے اندر ایسی کوئی خرابی ہے کہ انسان بالعموم اس دین کو قبول نہ کرسکتے ہوں اور یہ صرف ایک خاص قوم کا مسلک بنکر ہی رہ سکتا ہو؟ اگر یہ بات نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے، تو پھر انسانوں پر نگاہ ڈالیے کیا آج اُن میں کوئی ایسی غیر معمولی خاصیت پیدا ہوگئی ہے جو پہلے زمانے کے انسانوں میں نہ تھی اور جسکی وجہ سے اب ان کا اسلامی تحریک سے متاثر ہونا غیر ممکن ہوگیا ہے؟ کیا نفسِ انسانیت کی ترکیب اور اسکے مزاج میں اب کوئی تغیر آگیا ہے؟ کیا اللہ نے اب دنیا میں کسی نئے ماڈل کے انسان بنانے شروع کردیے ہیں کہ ان میں صرف ابوجہل اور ابولہب ہی پائے جاسکتے ہیں، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، سلمان فارسی اور بلال حبشی نہیں پائے جاسکتے؟ اگر یہ بات بھی نہیں تو پھر اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ ساری مشکلات جو اسلامی تحریک کی راہ میں سدِّ سکندری بنی نظر آرہی ہیں، اسلام کے پیرووں کی پیدا کردہ ہیں۔ اُنکی کسی کمزوری اور کسی غلط روش نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور جب ان مشکلات کی حقیقت یہ ہے تو صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ مشکلات سے بچنے کے لیے سیدھا راستہ چھوڑ کر پھیر کے راستوں سے نکلنے کی کوشش کی جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس غلطی کی اصلاح اور اُس کمزوری کا علاج کیا جائے جسکی وجہ سے یہ صورت حال رونما ہوئی ہے۔

اس بحث کی ابتدا میں اِن مشکلات کا جو تجزیہ میں نے کیا ہے اُس پر ایک نظر ڈالنے سے صاف معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی روش میں کس قسم کی اصلاح مطلوب ہے۔ ہم جب اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در اصل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نفس پرست یا دنیا پرست نہیں بلکہ خدا پرست ہیں۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت ہماری زندگی سے ملنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین پر ایمان لانے کے بعد ہماری حیثیت اُن انسانوں کی سی نہیں رہتی جو اللہ کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات پر، یا اپنی دنیوی اغراض پر، یا اپنی قوم اور اپنے ملک پر ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا ہم وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد نہیں ہیں جو وہ کرتے ہیں، اور نہ ہم کو جاہلیت کے وہ طریقے زیب دیتے ہیں جو اُن کے لیے خوشنما اور مزین ہیں۔ ہم دنیا میں عدل و قسط کا نظام قائم کرنے پر مامور ہیں، ہمارے سپرد دنیا کو خیر و صلاح کی طرف دعوت دینے اور شر و فساد کا خاتمہ کرنے کی خدمت کی گئی ہے، ہمیں اپنے مفاد یا کسی خاص قوم کے مفاد کی خدمت کے لیے نہیں اٹھایا گیا بلکہ انسانیتِ عامہ کی فلاح و سعادت کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدوں کے لیے دوسری قوموں سے جھگڑے کریں۔ نہ قوم پرستانہ تنگ نظری اور اسکے ذلیل ہتھکنڈے اور اسکے مایۂ شر و فساد قضیے ہمارے لیے موزوں ہیں۔ اور نہ ہم کو یہ مناسب ہے کہ اُن ادنیٰ درجے کے مقاصد کے لیے جد و جہد کریں جنہیں اسلام نے ہماری کوششوں کا مقصود نہیں ٹھیرایا ہے۔ ہمیں اپنے دل کو تمام نفسانی محبتوں اور عداوتوں سے، تمام تعصبات سے اور تمام دنیوی اغراض سے پاک کر لینا چاہیے۔ دوسروں کے دل خواہ کتنے ہی تنگ ہوں، ہمارے دل فراخ ہونے چاہییں۔ دوسروں کی نظر خواہ کتنی ہی پست ہو، ہماری نظر بلند ہونی چاہیے۔ دوسرے اپنی شخصی یا قومی اغراض کے لیے خواہ کتنی ہی تگ و دو کریں، ہمیں انکی پیروی کرنی چاہیے۔ اُنکے برعکس ہم کو تو اپنے دل سے یہ خیال بالکل نکال ہی دینا چاہیے کہ کسی غیر الٰہی نظامِ تمدن و سیاست میں بھی ہمارا کوئی شخصی یا قومی مفاد ہو سکتا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو در اصل ہمارا کوئی مفاد اِسکے سوا ہے ہی نہیں کہ یہ غلط نظامِ زندگی من حیث الکل فنا ہو جائے اور اسکی جگہ اُن اصولِ حق پر اجتماعی زندگی کی تعمیر ہو جنکی تعلیم خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے نوعِ انسان کو دی ہے۔ اسی مفاد پر ہم کو اپنی تمام توجہات مرکوز کر دینی چاہییں اور ہر دوسرے مفاد کو ٹھوکر مار دینی چاہیے۔ یہ روش جب ہم اختیار کرینگے اور جب ہمارے اقوال و افعال انفرادی و اجتماعی حیثیت سے اسی روش کے مطابق ہونگے اور متناقض باتوں سے ہمارا طرزِ عمل پاک ہوگا تب ہمارے گرد و پیش کے لوگ ہمارے خلوصِ نیت سے مغلوب و متأثر ہونے لگینگے اور تب ہی ہماری دعوت الی الخیر انکے دلوں تک نفوذ کریگی۔ محض کتابوں میں لکھا ہوا حق کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی لوگوں کو مسخر کرتا ہے۔ مگر جب حق پرستوں کی ایک جماعت اُسکی پشت پر موجود ہو اور لوگ اُس جماعت کی زندگی میں عیاناً حق کا مشاہدہ کرلیں تو آبادیوں کی آبادیاں اسکے آگے سپر ڈالتی چلی جاتی ہیں۔

یہ روش اختیار کرنے کا جب مشورہ دیا جاتا ہے، تو دو شکوک اور پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ تمام نسلی مسلمانوں کے اخلاقی نقطۂ نظر، انکی عملی زندگی، اور اُنکے اجتماعی رویہ میں اتنا بڑا تغیر آنا فاناً تو نہیں ہوسکتا۔ اسکے لیے مدت دراز درکار ہے۔ اور جب تک یہ سب کے سب بدل جائیں وہ پالیسی نہیں چل سکتی جو تم تجویز کررہے ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر مسلمان اس روش کو اختیار کر بھی لیں تو آخر اُنکے سیاسی معاشی مفادات کا کیا حشر ہوگا۔ ایک طرف دوسری قومیں پوری ہوشیاری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فائدے سمیٹنے میں لگی ہوئی ہوں اور دوسری طرف ہم اپنے مفاد کی فکر سے بے پروا ہو کر خالص حق پرستی میں مشغول ہوں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم دیکھتے دیکھتے زمین سے بے دخل ہو جائینگے اور صرف ہوا میں ہمارا ٹھکانا رہ جائیگا۔

یہ دونوں شبہے جن اصحاب کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اُنکے دلوں کی اصلی بیماری یہ ہے کہ وہ اس روش کو ایک چال یا پالیسی سمجھ کر اس حیثیت سے جانچنا چاہتے ہیں کہ یہ کارگر کہاں تک ہوسکتی ہے۔ یعنی اگر کارگر ہو اور بے خطر بھی ہو تو اسے اختیار کیا جائے ورنہ کوئی دوسرا ڈھنگ تلاش کیا جائے۔ حالانکہ میں اس روش کا مشورہ پالیسی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حق ہونے کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام صالحین اسی روش پر چلے ہیں۔ یہی طریق حق ہے۔ اسکے سوا کوئی دوسرا برحق طرزِ عمل ہے ہی نہیں کہ دونوں کے درمیان اختیار و انتخاب کا سوال پیدا ہو۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو منفعت پرستانہ ذہنیت کے ساتھ یوں نہیں سوچنا چاہیے کہ اس راہ سے کام بنتا ہے تو اس پر چلیں ورنہ کوئی دوسری راہ نکالیں۔ بلکہ اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ ہمارے لیے اسکے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار ہے ہی نہیں۔ پھر جب اپنی ذہنیت کی اصلاح کرلیں تو انکے دونوں شبہوں کا مختصر جواب یہ ہے:

(۱) تمام مسلمانوں کے اخلاق، اعمال اور اجتماعی رویہ میں تغیر آنے کا انتظار کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ لَا یَضُرُّکُمْ

© rasailojaraid.com

مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ۔ جس جس کا قلب شہادت دیتا جائے کہ طریق حق یہ ہے وہ اپنی روش کی اصلاح کرے اور اپنی سعی و جہد کا محور اپنے یا اپنی قوم کے دنیوی مفاد کے بجائے جہاد فی سبیل اللہ کو بنالے۔ پھر اسکو لازم ہے کہ اپنے گرد و پیش کے انسانوں کو (مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلموں کو بھی) خیر کی طرف دعوت دے، اور جو اس دعوت کو قبول کرے اُسے اس جہاد میں اپنا رفیق سمجھے۔

(۲) کوئی فرد ہو یا جماعت یا قوم، بہر حال اسے اگر کسی بڑے مقصد کے لیے جد و جہد کرنی ہے تو لا محالہ اسے اپنے چھوٹے چھوٹے فائدوں کی قربانی گوارا کرنی ہی پڑیگی۔ دنیا میں کوئی بڑی چیز چھوٹی چیزوں کی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ لہذا اگر زمین پر خدا کی بادشاہی کسی کی نگاہ میں بڑا مقصد ہو تو اسکی نگاہ میں تمام سیاسی و معاشی مفادات چھوٹی چیز ہونے چاہییں اور اسے ہر دنیوی نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجانا چاہیے۔ اور اگر اسکے نزدیک یہ فائدے بڑی چیز ہیں اور اس مقصد کی بہ نسبت عزیز تر ہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس مقصد کا نام ہی نہ لے۔ نہ یہ مقصد ایسے لوگوں کے لیے ہے اور نہ ایسے لوگ اس مقصد کے لیے۔

موجودہ سیاسی مسائل کے باب میں جو کچھ مجھے مسلمانوں سے کہنا تھا، اب میں قریب قریب سب کچھ کہہ چکا ہوں لیکن اب تک یہ خیالات چونکہ منتشر طور پر شائع ہوتے رہے ہیں اسلیے بکثرت لوگ میرا نقطہ نظر پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ عموماً یہی ہوا کیا کہ کسی صاحب نے میرے ایک آدھ مضمون کو کہیں سے دیکھ لیا اور پھر طویل خط و کتابت یا لمبی چوڑی بحثوں میں اپنا بھی وقت ضائع کیا اور میرا بھی۔ اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے ان تمام مضامین کو جو پچھلے دو سال میں لکھے گئے ہیں ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیا جائے، اور ترتیب دیتے وقت جہاں جہاں کوئی مضمون تشنہ رہ گیا ہو، یا کہیں کوئی شگاف کھلا رہ گیا ہو اُسکی تکمیل کر دی جائے۔ اس طرح جب تمام پہلو ناظرین کے سامنے آجائینگے تو بیشتر غلط فہمیاں دور ہوجائینگی۔ امید ہے کہ آئندہ مہینے کے اختتام تک یہ مجموعہ ناظرین کو مل جائیگا۔ وباللہ التوفیق۔

© rasailojaraid.com

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش

تالیف ابوالاعلیٰ مودودی

حصہ اوّل

اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ، موجودہ حالت اور مستقبل کے امکانات پر ایک سبق آموز تبصرہ جس سے مسلمانانِ ہند کے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اسلئے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے ذیل کے نرخوں پر آپ اسے طلب فرما سکتے ہیں

ایک روپے میں	۵ نسخے		علاوہ محصول ڈاک
نو روپے میں	۵۰ نسخے	}	کرایہ ریل بذمہ خریدار
پندرہ روپے میں	۱۰۰ نسخے		

حصہ دوم

اس حصہ میں ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کرکے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے اس وقت تک ملک کے سیاسی تغیرات کس طرح اصولِ اسلام اور مسلمانوں کے قومی مفاد کے خلاف ہوتے رہے ہیں اور یہ کہ اگر اب مسلمان اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ اس کی قیمت بھی اشاعت عام کے لئے بہت کم رکھی گئی ہے:۔

۲ روپے ۴ آنہ میں . . . . ۵ نسخے
محصول ڈاک بذمہ خریدار

۱۱ روپے ۸ آنہ میں	۲۵ نسخے	}	کرایہ ریل بذمہ خریدار
۲۲ روپے میں	۵۰ نسخے		
۴۰ روپے میں	۱۰۰ نسخے		

دفتر ترجمان القرآن لاہور سے طلب کیجیے

© rasailojaraid.com